الرسالة الرابعة في الغيبة

تأليف

الامام الشيخ المفيد محمد بن محمد بن النعمان ابن المعلم ابي عبد الله، العكبري، البغدادي (336-413هـ)

تحقيق

علاء آل جعفر

غیبت کے بارے میں چوتھا رسالہ

تالیف: امام شیخ مفید محمد بن محمد بن نعمان ابن المعلم ابو عبد اللہ، العکبری، البغدادی (336-413ہجری)

تحقیق: علاء آل جعفر

"اگر امام کے پاس اہلِ بدر کی تعداد کے برابر افراد جمع ہو جائیں تو اس پر خروج واجب ہو جاتا ہے"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیوں امام مہدی ظاہر نہیں ہوئے؟ اور وہ کب ظاہر ہوں گے؟

یہ سوال اکثر اُن لوگوں سے سنا جاتا ہے جو امام صاحب الزمان علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں، جب وہ دشمنوں سے بھرے غیظ و غضب کے عالم میں ہوتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا ظلم و جور سے بھر گئی ہے، اور اس کے نتیجے میں امام کے ظہور کا وقت آ گیا ہے تا کہ وہ اسے عدل ور حمت سے بھر دیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مفید کے زمانے میں ایک اور وقت کا نظریہ معروف تھا، کیونکہ امام جعفر صادق بن محمد علیہ السلام سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

"انه لو اجتمع على الامام عدة أهل بدر، ثلاثمائة وبضعة عشر رجلا، لوجب عليه الخروج بالسيف"

اگر امام کے پاس اہلِ بدر کی تعداد کے برابر، یعنی تین سو تیرہ افراد جمع ہو جائیں، تو اس پر تلوار کے ساتھ خروج واجب ہو جاتا ہے۔

شیخ مفید سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کے مروی ہونے کی تصدیق کی۔

پھر سوال کرنے والے نے اس حدیث کے ذریعے شیخ سے غیبت اور اس سے متعلق امور پر گفتگو کی، اور دونوں کا یہ مکالمہ سوال کرنے والے کے گھر میں ہوا، جسے "رئيس من الرؤساء" کہا گیا۔

سائل نے کہا:

ہمیں یقین ہے کہ اس زمانے میں شیعوں کی تعداد اہلِ بدر کے افراد سے کئی گنا زیادہ ہے، تو اس روایت کے ہوتے ہوئے امام کی غیبت کیسے درست ہو سکتی ہے؟

شیخ نے جواب دیا:

اگرچہ شیعوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن روایت میں مذکور عدد سے مراد صرف گنتی نہیں ہے، بلکہ ان افراد کی ایک خاص کیفیت مراد ہے۔ اور وہ کیفیت اپنی صفات و شرائط کے ساتھ ابھی تک حاصل نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان میں یہ ہونا ضروری ہے کہ وہ بہادری میں کامل، مقابلے میں صابر، جہاد میں مخلص، آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے والے، باطن کی عیوب سے پاک، بدن و عقل میں صحیح و سالم ہوں، وہ ملاقات (یعنی جنگ) کے وقت نہ کمزور پڑیں اور نہ سستی دکھائیں، اور یہ کہ خدا کی طرف سے ان کے خروج میں عام مصلحت ہو۔

ہمیں علم نہیں کہ تمام شیعہ ان صفات اور شرائط کے ساتھ ہیں۔

اور اگر خدا جانتا کہ ان میں اس صفت کے حامل اتنے افراد جمع ہو چکے ہیں جتنے عدد میں ذکر ہوئے ہیں، اور امام کے لیے تلوار اٹھانے میں کوئی عذر باقی نہیں رہا، تو امام علیہ السلام ضرور ظاہر ہو جاتے اور ان کے جمع ہونے کے بعد پلک جھپکنے جتنا بھی غائب نہ رہتے۔

لیکن چونکہ ایسا اجتماع ظاہر طور پر نہیں ہوا، اس لیے غیبت جاری رہی۔

سائل نے اعتراض کیا:

تم نے یہ صفات اور شرائط کہاں سے لازم جانی ہیں جبکہ روایت میں ان کا ذکر ہی نہیں؟

شیخ نے جواب دیا:

امامت کے مسلم اصول ہمیں ان صفات کو امام کے اصحاب کے لیے ثابت کرنے پر مجبور کرتے ہیں، کیونکہ جب ہمارے نزدیک امامت کا وجوب اور ائمہ کی عصمت اپنے دلائل کے ذریعے ثابت ہو چکی ہے، تو لازم ہے کہ ہم اس حدیث کی تشریح انہی ثابت شدہ اصولوں کے مطابق کریں تاکہ اس کا معنی درست ٹھہرے۔

لہٰذا وہ اصول اور اس حدیث کی صحت یہ تقاضا کرتے ہیں کہ اس میں مذکور افراد ان صفات کے حامل ہوں۔

شیخ نے اپنی بات کو اس مثال سے واضح کیا کہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر میں (313) افراد کے ساتھ جہاد کیا، لیکن صلح حدیبیہ کے دن جنگ سے اجتناب کیا اور بیٹھ گئے، حالانکہ اُس وقت ان کے اصحاب کی تعداد اہلِ بدر سے کہیں زیادہ تھی۔

اور چونکہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کا یقین ہے، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کسی امر میں خطا نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ صواب پر ہوتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوا کہ ان کے اصحاب حدیبیہ میں اُن صفات کے حامل نہیں تھے جو اصحابِ بدر میں پائی جاتی تھیں، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں جنگ سے اجتناب کیا۔ اگر ان میں وہ صفات موجود ہوتیں، تو ان پر جنگ اسی طرح واجب ہوتی جیسے بدر میں واجب ہوئی تھی، اور چونکہ ہم جانتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم اور صائب الرائے ہیں، اس لیے اگر جنگ واجب ہوتی تو وہ ہرگز اسے ترک نہ کرتے۔

سائل نے کوشش کی کہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ اور امام علیہ السلام کے درمیان فرق کرے، اس طرح کہ نبی پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہ وحی کے ذریعے امور میں مصلحت کا پہلو جان لیتا ہے، لیکن امام کو اس بات کا علم کس طرح حاصل ہوتا ہے؟

شیخ نے جواب دیا:

بے شک امام —شیعہ عقیدہ کے مطابق— ان امور سے آگاہ ہوتا ہے جو آنے والے ہیں اور جو ذکر کیے جاتے ہیں، اس کے لیے ایسی نشانیاں مقرر کی گئی ہیں جو تدبیروں کے انجام اور اعمال کی مصلحتوں پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سے عہد کے طور پر ہے، جن پر وحی نازل ہوتی ہے اور جو آسمانی علم سے باخبر کیے جاتے ہیں۔

اور اگر امام علیہ السلام دوسرے عقلمندوں کی طرح غالب گمان، اندازے اور ظاہر ہونے والی مصلحتوں پر اعتبار کرتا، تو یہ کافی اور غنی ہوتا، اور تحقیق کے قائم مقام ہوتا بغیر کسی شبہ کے، خصوصاً مخالفین کے مذہب کے مطابق جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے لیے بھی اجتہاد کو جائز سمجھتے ہیں، اگرچہ ہم ایسا نہیں سمجھتے۔

سائل نے اعتراض کیا:

امام علیہ السلام کیوں ظاہر نہیں ہوئے، اگرچہ ان کا ظاہر ہونا ان کے قتل کا باعث بن جائے، تاکہ ان کے لیے برہان قائم ہو جائے اور ان کی امامت کی حجت زیادہ واضح ہو، اور ان کے وجود میں شک وشبہ زائل ہو جائے؟

شیخ نے جواب دیا:

یہ امام علیہ السلام پر واجب نہیں تھا، کیونکہ لوگ خود غیبت کا سبب بنے اور اس کے نتائج کے ذمہ دار ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ واجب نہیں کہ وہ گناہگاروں اور مفسدوں پر فوراً عذاب نازل کرے، حالانکہ اس میں اس کی قدرت کی وضاحت، اس کی حجت کی تاکید، اور لوگوں کو اس کی نافرمانی سے روکنے کا پہلو موجود ہے۔

اس کے باوجود یہ علم کہ امام کے ظہور پر فساد پیدا ہوگا، اس بات کو واجب ہونے سے روکتا ہے، اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مطالبہ کرنا خطا ہے۔ یہ مطالبہ تبھی درست ہو سکتا ہے جب اس میں اصلاح اور بھلائی ہو۔ اور اگر امام علیہ السلام کو معلوم ہوتا کہ ان کے ظہور میں مصلحت ہے تو وہ ایک پل کے لیے بھی غیبت میں باقی نہ رہتے اور ظہور کی طرف جلدی کرنے میں ذرا توقف نہ فرماتے۔

ان کی عصمت کے ہوتے ہوئے ان کا ظاہر نہ ہونا، اسی بات کی دلیل ہے کہ ان کے علم میں موجودہ زمانے میں ظہور میں کوئی مصلحت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امامت کی مسلمہ بنیادوں اور اس کے ثابت شدہ اصولوں کو ماننا، اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے جو شک سے بالاتر ہے۔

اور یہ بات لازم ہے کہ غیبت کے بارے میں ہونے والی تمام بحثوں کی بنیاد اسی اصول پر رکھی جائے، ورنہ اس بنیاد کے بغیر غیبت پر گفتگو محض بے فائدہ اور غیر نتیجہ خیز ہوگی۔

میں کہتا ہوں:

اس طرزِ استدلال کو سید شریف مرتضیٰ نے اپنی کتاب المقنع فی الغیبۃ **میں پوری طرح اختیار کیا ہے۔**

پھر شیخ مفید نے معتزلہ کی تردید کی، کیونکہ وہ امامیہ پر غیبت کے عقیدہ کے سلسلے میں سختی سے طعن کرتے ہیں، اور اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اتنا زمانہ گزر گیا مگر امام ظاہر نہیں ہوئے! حالانکہ وہ خود امامت کے مسلمہ اصولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ امامت کو واجب مانتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر زمانے میں امام کی ضرورت ہے، اور وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ امام کے بغیر کام چل سکتا ہے، وہ غلطی پر ہے!

اس کے باوجود وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے بعد سے اس زمانے تک ان کا کوئی امام نہیں ہے! بلکہ وہ تو اس وقت بھی کسی امام کے ہونے کی امید نہیں رکھتے۔ پس اگر وہ اصول درست ہیں جن پر ہم اور وہ دونوں متفق ہیں، تو پھر ہم ان سے زیادہ معذور ہیں کہ ہم امام کے وجود کے قائل ہیں، اگرچہ وہ غیبت میں ہوں — اور ہم اس کے وجود اور معرفت کے قائل ہیں، اور یہ امامت کے اصول اور اس متفق علیہ حدیث کے موافق ہے" **: من مات** "...(جو اس حال میں مرا کہ اپنے زمانے کے امام کو نہیں پہچانا، وہ جاہلیت کی موت مرا)۔

لیکن معتزلہ کے پاس کوئی عذر نہیں کہ وہ ان اصولِ امامت سے روگردانی کریں جنہیں وہ خود تسلیم کر چکے ہیں۔

کچھ حاضرین نے ان کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے کہا:

وہ ایک اور پہلو سے معذور ہیں، یعنی احکام اور حدود کے قیام میں۔ لیکن شیعہ — جن کے ائمہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر زمانۂ غیبت تک ظاہر رہے — ان کے پاس کیا عذر ہے کہ انہوں نے احکام کے قیام اور حدود کے نفاذ کو ترک کر دیا؟!

تو شیخ نے جواب دیا:

ان کے پاس امام کا نہ ہونا، احکام و حدود کو معطل کرنے کا کوئی عذر نہیں ہے، کیونکہ ان کے مذہب کے مطابق ہر زمانے میں ایک جماعت اہلِ حل و عقد کی ہوتی ہے، جن کے ذمے امام کا تقرر ہوتا ہے۔ پس ان کے لیے ہر وقت امام نصب کرنا ممکن ہے، اور وہ اس سے باز رہنے پر معذور نہیں۔ وہ لوگ زمانۂ شیخ میں بھی موجود، معروف اور ظاہر تھے، پس اگر وہ امام کے تقرر سے ہاتھ کھینچیں تو گنہگار اور گمراہ ہوں گے۔

تو کیا وہ خود اپنے گناہ اور گمراہی کا اعتراف کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں!

پس اگر وہ احکام کے نفاذ اور حدود کے اجرا میں معذور سمجھے جائیں، حالانکہ ان کے لیے امام کا تقرر ممکن ہے، تو اسی طرح ہمارے ائمہ بھی معذور ہیں کہ انہوں نے ظہور کے باوجود ان احکام کو قائم نہیں کیا۔

مزید یہ کہ ہمارے ائمہ علیہم السلام کا احکام و حدود کے قیام سے رک جانا ایک واضح اور درست عذر پر مبنی تھا، اور وہ عذر ایسا ہے جو معتزلہ کے پاس نہیں ہے۔ وہ یہ کہ اہل بیت علیہم السلام کے ائمہ ہمیشہ حکمرانوں کے ظلم و ستم سے تنگی، خوف اور دہشت میں

زندگی گزارتے تھے، کیونکہ ظالم یہ گمان رکھتے تھے کہ یہ لوگ تلوار کے ساتھ قیام کریں گے، اور بہت سے لوگ ان کے امام ہونے کے عقیدہ رکھتے ہیں، اور ان کی طرف احکام کے اجرا اور حدود کے نفاذ کے لیے رجوع کرتے ہیں۔

یہ بات بالکل واضح ہے، جس میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔

لیکن معتزلہ اور ان کے ہم خیال لوگوں میں سے کسی کو کبھی خون بہانے، جلاوطنی، تعذیب یا تعاقب کا سامنا نہیں ہوا۔ نہ انہیں کسی الزام یا حقیقت کی بنیاد پر خوف تھا، حالانکہ معتزلہ کھلم کھلا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب پر اظہارِ رائے کرتے تھے، اور ظاہر کرتے تھے کہ وہی ولایت، حکومت اور انتخاب کے اہل ہیں، اور انہی میں اہل حل و عقد پائے جاتے ہیں، اور وہ خلفاء کی اطاعت کا انکار کرتے تھے۔ اس کے باوجود وہ حکمرانوں کے ظلم سے محفوظ، بے خوف اور امن میں زندگی گزارتے تھے۔

پس ان کے لیے امام کے تقرر اور احکام و حدود کے نفاذ میں کوتاہی کرنے کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

اور جہاں تک ہمارے ائمہ علیہم السلام کا تعلق ہے، تو وہ ان حالات میں بلاشبہ معذور تھے۔

اور اللہ ہی صواب کی توفیق دینے والا ہے۔

تحریر

السید محمد رضا الحسینی الجلالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اور درود و سلام ہمارے سید محمد اور ان کی پاک آل پر ہو۔

اور بعد:

ایک مخالف نے پوچھا اور کہا:

امام زمان علیہ السلام کا ستر اور ان کی وہ غیبت جس کی مدت طویل ہو گئی اور دنوں نے اس میں پھیلاؤ پایا اس کی موجب وجہ کیا ہے؟ پھر اس نے کہا: اگر تم کہو کہ اس کی وجہ زمانے کی سختی ہے ان کے مقابل دشمنوں کی کثرت اور ان سے اپنی نفس کی حفاظت کا خوف، تو تم سے کہا جائے گا: کہ پہلے زمانہ میں ان کے آباء علیہم السلام پر حالت زیادہ سخت تھی، اور ان کے دشمن ماضی میں زیادہ تھے، اور اپنے نفس پر ان کا خوف زیادہ اور شدید تھا، اور اس کے باوجود انہوں نے اپنا پردہ نہیں کیا اور نہ ہی اپنی اتباع سے غائب ہوئے، بلکہ ظاہر رہے یہاں تک کہ ان کو یقین پہنچ گیا، اور یہ تمہارا وہ مرض جو تم نے صاحب الزمان کی غیبت اور تمہارے ذکر کردہ اس کے پردہ کے سبب سمجھا ہے باطل کر دیتا ہے، اور میں نے آپ سے یہ سوال کیا، اللہ آپ کی عزت کو دوام دے۔

اس کا جواب:

جواب، اور اللہ سے توفیق کی درخواست کے ساتھ: کہ صاحب الزمان اور ان کے آباء علیہم السلام کی دو حالتوں میں اختلاف ہے جس کی وجہ سے آج ان کا پردہ ضروری ہے اور ظاہر ہونا ضروری ہے، اسی سے وہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے جو مخالف نے خیال کی اور دعویٰ کیا کہ یہ زمانہ صاحبِ امر علیہ السلام کے لیے آسان ہے اور ماضی میں ان کے آباء کے لیے مشکل تھا، اور آج ان کا خوف کم ہے جبکہ ماضی میں ان کے آباء کا خوف زیادہ تھا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے کسی ایک باپ علیہ السلام کو اپنے ظہور کے ساتھ تلوار اٹھانے کا فریضہ نہیں سونپا گیا تھا، نہ انہیں تقیہ ترک کرنے کا الزام تھا، نہ اپنے لیے لوگوں کو دعوت دینے کا، جیسا کہ ہمارے امام کو اس کے ظہور کے سلسلے میں سونپا گیا ہے، بشرطِ ظہورِ وہ علیہ السلام؛ اور جو ان کے گذشتہ آباء تھے صلوات اللہ علیہم، ان پر دشمنوں سے تقیہ جائز قرار دیا گیا تھا، اور ان کے ساتھ ملاپ، ان کی مجالس میں حاضر ہونا، اور انہوں نے اپنے اوپر تلواریں ظاہر نہ کرنے کی حرمت پھیلائی اور اس کی دعوت کے خطرے کو بیان کیا۔

اور انہوں نے ایک منتظر کی طرف اشارہ کیا جو ان میں سے آخرِ زمانہ میں ہو گا جس سے اللہ تعالیٰ تنگ دستی دور کرے گا، اور امت کو زندہ اور ہدایت دے گا، جس پر تقیہ کی گنجائش نہ ہو؛ جب وہ ظاہر ہو گا تو آسمان میں اس کے نام سے فرشتے گرامی پکاریں گے، اور جبرائیل و میکائیل انسانوں میں اس کی بیعت کی دعوت دیں گے، اور اس کے ظہور سے پہلے قیامت کی نشانیاں زمین اور آسمان میں ظاہر ہوں گی، اور اس کے ظہور کے وقت مردے زندہ ہوں گے، اور اس کی قیام اور امر کے اٹھ کھڑے ہونے کی آیات آنکھوں کو دہلا دیں گی۔

جب یہ بات ان کے آباء علیہم السلام کے صالح سلف سے ظاہر ہو گئی اور ہر زمانہ کے سلطان اور ہر دور کے بادشاہ کے پاس یہ بات ثابت ہو گئی، اور انہوں نے جان لیا کہ وہ تلوار اٹھا کر دین استوار نہیں کریں گے، اور وہ کسی بھی اہلِ اختلاف میں سے کسی کو اپنے مثل کے لیے دعوت دینا مناسب نہیں سمجھتے، اور ان کا وہ دین جس سے وہ اللہ عزوجل کے قریب ہونا چاہتے ہیں وہ تقیہ، شرم و حیاء، زبان کی حفاظت، عبادات میں فراوانی، اور نیکی کے اعمال کے ذریعے اللہ عزوجل کے ساتھ منقطع ہونا ہے، انہوں نے اپنی جانوں کو اس بات سے مطمئن رکھ لیا کہ وہ جو امور اپنے لیے ترتیب دے رہے ہیں اور اپنے دین کو جو تحقق میں لاتے ہیں، اسی سے وہ اکتفا کر لیں، اور اسی بنا پر وہ ظاہر ہونے سے باز رہے سوائے پھیل جانے کے، اور انہوں نے اس کے ذریعے غیبت اور پردے کی حاجت سے خود کو بے نیاز سمجھ لیا۔

اور کیونکہ اس زمانے کے امام علیہ السلام ہی وہ نشان دہندہ ہیں جن کے بارے میں زمانہءقدیم سے تلوار کی سلطنت سے مراد لیا گیا ہے جیسا کہ مذکورہ دنوں کے گزرنے میں، اور ان کے ظہور پر اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد، اور اپنے مخصوص لوگوں سے تقیہ اٹھوانا، اور ان پر جہاد فرض کروانا، اور یہ کہ وہ وہ مہدی ہیں جن کے ذریعے اللہ حق کو ظاہر کرے گا اور اپنی تلوار سے باطل کو ختم کرے گا، اور معلوم بات یہ ہے کہ تلوار اسی وقت چلتی ہے جب مددگاروں کا وجود ہو اور نصراء اور معاونین کا اجتماع ہو، اور ان کے (علیہ السلام) مددگار ان کے وجود میں اس وقت تیار موجود نہ تھے، نہ ان کی نصرت کے لئے متحد تھے، اور زمین پر ان کی جماعت میں ایسا کوئی گروہ نہ تھا جو جہاد کے لائق ہو حالانکہ وہ آثار منتقل کرنے، احکام کے تحفظ اور ان کے لیے اللہ عزوجل سے مضبوطی حاصل کرنے کی دعا میں فائز ہونے کے لائق ضرور تھے، اس لیے ان پر تقیہ لازم ہوا، اور اس کا فرض ان پر اسی طرح لازم ہوا جیسا کہ ان کے آباء علیہم السلام پر لازم تھا، کیونکہ اگر وہ بغیر معاونین کے ظاہر ہوتے تو وہ اپنے ہاتھ سے خود کو ہلاکت میں ڈال دیتے، اور اگر انہوں نے اپنی شخصیت دشمنوں پر ظاہر کی تو دشمن اس کے نقصان پہنچانے اور اس کی

جماعت کا صفایا کرنے اور ان کے ارکان کے خون کو حلال جان کر بہانے میں کوئی کوتاہی نہ کرتے، اس سے دین و دنیا میں سب سے بڑا فساد ہوتا، اور یہ انہیں علیہ السلام کو دین کے احکام اور حکماء کے تدبیر سے باہر لے جاتا۔

اور چونکہ ان کی عصمت ثابت ہے، اس لیے لازم ہے کہ وہ پردہ کرے یہاں تک کہ اسے یقیناً معلوم ہو—اس میں کوئی شک نہیں— کہ اس کے لیے مددگار حاضر ہیں، اور نصراء مجتمع ہیں، اور اس کے تلوار کے ساتھ ظاہر ہونے میں مصلحتِ عامہ موجود ہو، اور یہ معلوم ہو کہ وہ حدود قائم کرنے اور احکام نافذ کرنے میں قادر ہے، اور جب معاملہ ہمارے بتائے ہوئے مطابق ہے تو مخالف کا جو خیال ہے کہ ہمارے امامِ اہلِ علم (امامیہ) نے سلفِ ائمہ ہدیٰ کے ظہور کی وجہ اور ہمارے صاحب زمانہ کے غیبت کے سبب میں تضاد سمجھا ہے وہ ساقط ہو جاتا ہے، اس پر درود و سلام اور بہترین رحمت و رضوان ہو۔

اور جو بات ہم نے بیان کی اس سے یہ فرق ثابت ہوتا ہے ان کی حالت اور ان کے حالات کے درمیان جس میں انہیں ظاہر ہونا جائز تھا، اور جس نے اس وقت ان پر پردہ لازم کر دیا۔

(فصل)

پھر اس مخالف سے کہا جائے گا:

کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں تیرہ سال تک قیام نہیں فرمایا، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے، اور نہ تلوار کھینچنے کا حکم دیا نہ جہاد کا، بلکہ تکذیب، گالی گلوچ، مار پیٹ اور طرح طرح کی اذیتوں پر صبر فرمایا؟ یہاں تک کہ ان کا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ جب وہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع میں تھے تو ان کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی گئی، اور ان کے پاؤں پر پتھر مارے جاتے تھے، مکہ کے نادان لوگ ان سے آمنے سامنے گالیاں دیتے اور ان کے چہرے پر مٹی پھینکتے تھے، کبھی ان پر تنگی کی جاتی، اور ان کے دشمن ایذاؤں میں طرح طرح کے ظلم و ستم کرتے، ان کے صحابہ کو مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کرتے، اور بہتوں کو فتنے میں ڈال کر اسلام سے پھرنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ مسلمان ان سے تلوار کھینچنے اور دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی اجازت مانگتے مگر وہ انہیں اس سے روکتے، انہیں روکتے اور انہیں اذیت پر صبر کرنے کا حکم دیتے۔

روایت میں آتا ہے کہ جب عمر بن الخطاب نے اسلام ظاہر کیا تو مکہ میں تلوار سونت لی اور کہا: اب اللہ کی عبادت پوشیدہ نہیں ہو گی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا۔ عبد الرحمن بن عوف زہری نے کہا: کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اجازت دے دیتے تو ہر شخص اپنے ساتھ دو آدمیوں کو پکڑ لیتا اور ان میں سے ایک ایک کو قتل کر دیتا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس بات سے روکا([1])۔

اور ہمیشہ یہی اس کا حال رہا یہاں تک کہ اس نے نجاشی (جو حبشہ کا بادشاہ تھا) سے درخواست کی کہ وہ قریش سے اس کے اصحاب کی حفاظت کرے، پھر اس نے انہیں اس کے پاس بھیج دیا، اور وہ (پیغمبر) اپنے اور اپنے اہلِ بیت علیہم السلام کے ساتھ اپنے خون کے خوف سے شعب میں تین سال تک پوشیدہ رہے۔ پھر اپنے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد مکہ سے چھپ کر ہجرت کی، اور تین دن تک غار میں مقیم رہے، پھر آپ علیہ وآلہ السلام نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں آپ نے (قتال سے) رکنے کا حکم دیکھا اور اپنے اصحاب کو جہاد کے لیے آمادہ کیا، اور اس وقت ان کی تعداد تین سو اور چند زائد تھی، اور آپ نے بدر میں ان کے ساتھ اہلِ بدر کے ایک ہزار (مخالفین) کا مقابلہ کیا، اور اسی وقت آپ نے اپنے آپ سے تقیہ کو اٹھا دیا۔ پھر آپ مدینہ میں موجود تھے کہ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے، اور درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کی، جس میں موت تک وفاداری کا عہد کیا گیا، پھر آپ علیہ وآلہ السلام کو بہتر معلوم ہوا کہ قریش سے صلح کریں، تو آپ نے عمرہ سے رجوع کیا اور اپنی قربانی وہیں ذبح کی، اور جنگ سے رک گئے۔ اور آپ نے قریش کے ساتھ ایک تحریر لکھی، جس میں انہوں نے آپ سے (بسم اللہ الرحمن الرحیم) کو مٹانے کا مطالبہ کیا، تو آپ نے ان کی یہ بات مان لی، اور انہوں نے خط میں آپ کے نام سے نبوت کا لفظ مٹانے کی بھی درخواست کی تا کہ اس کو ظاہر نہ کیا جائے، تو آپ نے اس پر بھی انہیں جواب دیا۔ اور انہوں نے تجویز دی کہ اگر کوئی مسلمان ان کے پاس

---

1 تاریخ کی کتابیں روایت کرتی ہیں کہ عمر بن خطاب جب اسلام لائے تو انہوں نے اپنی تلوار نکالی اور قریش سے لڑائی کی، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ نے انہیں اور اپنے تمام صحابہ کو اسلام کے اظہار میں پوشیدگی اختیار کرنے کی تاکید فرمائی تھی، کیونکہ قریش سے ٹکراؤ کا اندیشہ تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ عمر نے اس حکم سے اعراض کیا اور گویا یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ جری ہیں اور ان کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ حدیبیہ کے موقع پر مکہ کی طرف اس نیت سے روانہ ہوئے کہ وہ زیارت کے لیے جا رہے ہیں، جنگ کے لیے نہیں، اور آپ چاہتے تھے کہ کوئی شخص قریش کے اشراف کو یہ اطلاع دے آئے، تو عمر نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا (جیسا کہ متعدد مصادر میں ذکر ہوا ہے): ''یا رسول اللہ! میں اپنی جان پر قریش سے خوف کھاتا ہوں...''

جائے تو وہ اسے واپس لوٹا دیں یہاں تک کہ وہ کفر کی طرف لوٹ جائے یا وہ اسے چھوڑ دیں، تو آپ نے ان کی اس شرط کو بھی قبول کر لیا، حالانکہ اس وقت آپ جنگ میں ان پر غالب آ چکے تھے۔ ([2])

پھر اگر مخالف کہے:

ہاں، اور ایسا ہونا ضروری ہے اگر وہ اہلِ علم اور خبروں (احادیث وروایات) کی معرفت رکھنے والوں میں سے ہو۔

تو اس سے کہا جائے گا:

پھر اس نے مکہ میں کیوں قتال نہیں کیا؟ اور وہ کیوں ایذا پر صبر کرتا رہا؟ اور اس نے اپنے اصحاب کو جہاد سے کیوں منع کیا، حالانکہ وہ اسلام کی نصرت میں اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار تھے؟ اور کس چیز نے اسے مجبور کیا کہ وہ نجاشی کی پناہ لے اور اپنے اصحاب کو مکہ سے حبشہ کے ملک میں بھیج دے دشمنوں سے ان کے خونوں کے خوف کی وجہ سے؟ اور کس چیز نے اسے

---

[2] رسول اللہ ﷺ ذی القعدہ کے مہینے میں سن 6 ہجری میں عمرہ کا ارادہ فرما کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کا مقصد جنگ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے عرب قبائل اور اپنے گرد ونواح کے رہنے والے دیہاتی عربوں کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی، اور قربانی کے جانور ساتھ لے کر چلے۔ آپ ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ صرف اس گھر (کعبہ) کی زیارت کے لیے نکلے ہیں۔ جب آپ ﷺ عسفان کے مقام پر پہنچے تو بسر (یا بشر) بن سفیان کعبی سے ملاقات ہوئی، اس نے آپ ﷺ کو قریش کے خروج اور ان کی تیاری کے بارے میں خبر دی کہ وہ مسلمانوں سے مقابلے اور انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کو اپنا راستہ بدلنا پڑا اور آپ ﷺ حدیبیہ کی طرف مڑ گئے۔ جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کا قافلہ اپنا رخ بدل چکا ہے تو وہ دوڑتے ہوئے واپس مکہ کی طرف لوٹ گئے۔

اس کے بعد قریش نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنے قاصد بھیجے تاکہ معلوم کریں کہ وہ کس ارادے سے آئے ہیں اور ان کی غرض وغایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ مکہ میں موجود قریش کے سرداروں کو معاملہ واضح کیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو جانے کے لیے کہا، مگر انہوں نے قریش کے خوف سے جانے سے انکار کر دیا۔ تب آپ ﷺ نے ان کی جگہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان کے پاس بھیجا۔ قریش نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں روک لیا، اور یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے انہیں قتل کر دیا ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو قتال کے لیے بلایا، چنانچہ "بیعتِ رضوان" درخت کے نیچے لی گئی، تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر قرآن نازل فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے)

تاہم قریش نے صلح کے لیے سہیل بن عمرو کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، تو آپ ﷺ نے ان سے صلح فرما لی۔

ملاحظہ ہو: تاريخ الطبرى 2: 620، السيرة النبوية (ابن كثير) 3: 312، السيرة النبوية (ابن هشام) 3: 321، التفسير العظيم (ابن كثير) 4: 200 (*).

قتال پر آمادہ کیا جب اس کے اصحاب نے اس کی مدد نہ کی اور اس سے سستی کی، تو اس نے ان کی قلیل تعداد کے باوجود ان کے ساتھ جنگ کی؟ اور اس نے حدیبیہ میں کیوں قتال نہیں کیا باوجود اس کے کہ اس کے انصار کی کثرت تھی اور انہوں نے اس سے موت پر بیعت کی تھی؟ اور اس کے افعال میں ان مختلف حالات کے درمیان اختلاف کی کیا وجہ ہے؟

پس جو جواب تمہارے پاس ان باتوں میں ہے، وہی ہمارا جواب ہے صاحبِ زمانہؑ کے آباء (یعنی گذشتہ اماموں) کے ظہور اور ان کے استتار (پردہ نشینی) اور ان کی غیبت کے بارے میں۔ پس تم ان دونوں (معاملوں) میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔

اور تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جو مددگار ہے، اور اللہ محمدؐ نبی پر اور ان کی آل پر رحمت و سلام بھیجے، بہت زیادہ سلام۔